اردو نثری داستانوں کا اسلوبیاتی مطالعہ

ڈاکٹر طاہر نواز☆
Dr. Tahir Nawaz

Abstract:

Dastan belongs to the oldest genres of Urdu literature. Dastan is regarded as one of the most influential writings of its time. Style is among the characteristics of the prose dastan. In reading the dastan, the reader is first affected by the style. The simplicity and interest of the style compel the reader to move forward. . That's why the Dastan writer focuses more on style. The Dastan writer's attempt was to explain the contents of the story in such a way and to adopt a style so that the reader was compelled to read the story. We find different types of style in these dastans. This article discusses the stylistic study of Urdu prose dastans.

Keywords:

Dehlvi Style, Lucknowi Style, Stylistic Study, Urdu Prose Dastans

کلیدی الفاظ:

اسلوبیاتی مطالعہ، اردو نثری داستانیں، دہلوی داستانوی اسلوب، لکھنوی داستانوی اسلوب

تخلیق کا نقطہ آغاز خیال ہوتا ہے۔ فنِ مصوری، خطاطی، سنگ تراشی، ادبی فن پارے یا پھر سائنسی ایجاد کی بنیاد خیال ہی ہوتا ہے۔ خیال جس قدر واضح اور مکمل ہوگا فن پارہ بھی اسی قدر مکمل اور خوبصورت ہوگا۔ اسی طرح ہر ادبی تخلیق کا سفر بھی خیال سے شروع ہوتا ہے جو تخلیق کار کے لاشعور میں کسی مبہم صورت میں پیدا ہوتا ہے اور شعور تک پہنچتے پہنچتے اپنی مکمل صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ خیال لا محدود ہوتا ہے اور اس خیال کی تفہیم مکمل صورت میں نہیں ہو سکتی کیونکہ خیال کی نسبت لفظ محدود ہوتے ہیں اور یہ الفاظ اس خیال کو محدود کر دیتے ہیں۔ اس خیال کی تفہیم کے لیے تخلیق کار اور قاری کے درمیان رشتہ الفاظ کا ہوتا ہے۔ کیونکہ تخلیق کار اپنے خیال کے ابلاغ کے لیے الفاظ کا سہارا لیتا ہے یوں ان لفظوں پر دسترس جن کو ایک ادیب اپنے ابلاغ کی تفہیم کے لیے استعمال کرتا ہے اس کے زبان پر عبور کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس قدر بیان سادہ، جامع اور

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

موثر ہو گا وہ قاری پر اس قدر لطیف اثر چھوڑے گا۔ ادب کا چونکہ براہِ راست تعلق ہمارے لطیف جذبات سے ہوتا ہے اس لیے دیگر کسی بھی فن پارے کی نسبت ہمارے جذبات کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔

یہ خیال فکشن میں پلاٹ اور لفظوں کی صورت میں اسلوب کہلاتا ہے۔ فکشن میں واقعات نگاری، کردار نگاری، جزئیات نگاری سے بھی بہت پہلے ادیب اور قاری کا تعلق اسلوب سے قائم ہوتا ہے اور اسلوب ہی قاری پر سب سے پہلے اثر انداز ہوتا ہے۔ اسلوب کی سادگی اور چاشنی قاری کو آگے پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی وجہ سے ہر بڑے ادیب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا اسلوب دوسروں سے مختلف ہو کیونکہ اسلوب کسی ادیب کی پہچان ہوا کرتا ہے۔ ہم شاعری میں میر تقی میر، غالب اور علامہ اقبال کہ تینوں صاحبِ طرز شاعر ہیں کی شاعری میں تفریق کر سکتے ہیں۔ اسی طرح افسانے میں منٹو، کرشن چندر یا پھر عصمت چغتائی کے اسلوب سے با آسانی صاحبِ اسلوب کی پہچان کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی ایک دل چسپ حقیقت ہے کہ الفاظ انسان کی شخصیت و سیرت، میلان ورجحان اور ذہن ومزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ جب ہم کسی خیال کو دوسروں تک منتقل کرتے ہیں تو نئے نئے اسالیب تراشتے ہیں۔ اسی ضمن میں نثار احمد فاروقی رقمطراز ہیں:

> ''اسلوب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ الفاظ اور خیال، اسلوب میں الفاظ کی ترتیب اور انتخاب بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔''(۱)

اسلوب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے خیال اور الفاظ۔ پر تکلف عبارت اسی لیے وجود میں آتی ہے کہ لکھنے والا خیال سے زیادہ الفاظ کو اہمیت دیتا ہے۔ عموماً اسلوب کے حوالے سے دو گروہ سامنے آتے ہیں ایک وہ جن کا نقطہ نظر کلاسکیت کا ہے اور دوسرا جدیدیت کا قائل ہے۔ پہلا گروہ کلاسکیت کو اچھا جانتا ہے جبکہ جدیدیت والے ہر نئی چیز کو اپنے اسلوب میں شامل کرتے ہیں۔ انتخابِ الفاظ میں شخصیت اور عصری میلانات کا بھی اثر ہوتا ہے۔ زبانوں کی تبدیلی سے اسالیب تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے شخصیات کی ذات، فکر و احساس متنوع ہوتے ہیں ویسے ہی اسالیب بھی متنوع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی سبب سے ایک ہی بات کو دو شخصیات مختلف انداز سے بیان کرتی ہیں اور اگر وہ شخصیت صاحبِ اسلوب ہو تو اس کا انداز یقیناً دلچسپ اور منفرد بھی ہو سکتا ہے۔ اسلوب کا لفظ طریقہ، راستہ، روش اور ڈھنگ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلوب سے متعلق قومی انگریزی اردو لغت کے الفاظ یہ ہیں:

”اسلوب تحریر و تقریر (بلحاظِ وزن)Style ادب میں موضوع سے زیادہ اسلوب پر زور دینے والا یا اس سے تعلق رکھنے والا، کسی ادیب یا ادیبوں کے گروہ کا شناختی اسلوب فنون میں خارجی اسلوب، روش یا انداز، کوئی مخصوص طرزِ ادا۔“(۲)

اسلوب وہ خاص قرینہ، سلیقہ اور طریقہ اظہار ہے جو ایک فنکار اور تخلیق کار اپنے فن اور اپنی تخلیق میں حسن، کشش اور گہرائی پیدا کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اگرچہ یہ کسی حد تک غیر اختیاری عمل ہے تاہم تخلیق کار کی شعوری کوشش کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہر ادیب اور شاعر کا اسلوبِ فن مختلف عناصر اور عوامل سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کی افتادِ طبع، میلان، علمیت، معاشرتی رجحانات اور نفسیات اس کی نگارشات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی عناصر ادبا کے اسلوب میں تفریق کا باعث بنتے ہیں جس کی وجہ سے اسلوب کی کئی اقسام مقرر کی گئی ہیں۔ نثر کو نثر مرصع، نثر مقفیٰ، نثر مسجع، اور نثر عاری میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سلیس سادہ، سلیس رنگین، دقیق سادہ اور دقیق رنگین قسم کی گروہ بندی کا تصور بھی ہمارے ہاں رائج ہے۔ سیّد عبد اللہ کے مطابق:

”ہر شخص کا اپنا انداز، اپنا طریق، اپنا اسلوب ہوتا ہے البتہ بعض باتیں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً زمانہ اور سوسائٹی اسالیبِ بیان میں قدر مشترک کر دیتی ہے اور اسی وجہ سے ہم دو الگ زمانوں کے اسالیبِ بیان میں امتیاز کر سکتے ہیں۔“(۳)

فکشن سے متعلق اصناف میں قدرِ مشترک بیانیہ Narrative کی صفت ہے اور بیان کسی نہ کسی لسانی قاعدے کا محتاج ہوتا ہے۔ تشبیہ، استعارہ، علامت، کنایہ شاعری میں روزمرہ کی زبان کے انداز میں پیش کیے جاتے ہیں اس لیے ان کو شعری زبان میں تلاش کرنا آسان ہے۔ اس کے مقابل فکشن کے اسلوب کا انحصار درج بالا تخلیقی نقوش کے ساتھ ساتھ منظر نامہ، پلاٹ، واقعات، مکالمات، کردار، نقطہ نظر، دلائل جیسے عوامل پر ہوتا ہے اور یہ عوامل متن میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نثری کہانی میں مصنف، اسلوب اور قاری کے درمیان مسلسل اور مکمل سہ سمتی رشتہ بھی موجود رہتا ہے اور اس کی دلچسپی کی وجہ بھی۔ نثری اسلوب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں قطعیت پائی جائے۔ یعنی مصنف کا خیال جہاں تک ہو سکے جوں کا توں قاری تک منتقل ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا ابہام یا الجھاؤ نہ ہو۔ نثر میں یہی امتیاز اسے دیگر نثر نگاروں سے علیحدہ اور ممتاز

کرتا ہے۔ اسی لیے ہم بعض نثر نگاروں کو ان کے اسلوب سے پہچان لیتے ہیں۔ حامد اللہ افسر کے مطابق:

> ''اسلوبِ بیان یا اسٹائل سے مراد کسی مصنف کا وہ طرزِ تحریر ہے جو اسی مصنف کے ساتھ مخصوص ہو اور اس کی تحریر کی امتیازی خصوصیات کا حامل ہو اہلِ طرز بھی وہی الفاظ استعمال کرتا ہو جو اور اہلِ زبان استعمال کرتے ہیں لیکن وہ ان الفاظ کو کچھ اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ اس کی تحریر میں ایک امتیازی شان پیدا ہو جاتی ہے جو اسے اور تمام تحریروں سے علیحدہ کر لیتی ہے۔''(۴)

داستان بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ داستان پڑھنے سے کہیں زیادہ کہنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ داستان کہتے ہوئے ایک داستان گو کے پاس زیادہ مواقع ہوتے تھے کہ وہ ماحول کو دیکھتے ہوئے اسلوب اختیار کرتا اور لوگوں کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ اپنی داستان کو آگے بڑھاتا تھا۔ ایک علمی محفل میں جہاں اسے اپنی علمیت دکھانا مقصود ہوتی تو وہ مقفع و مسجع الفاظ استعمال کرتا لیکن عام لوگوں کی محفل میں وہ عموماً سادہ الفاظ کے استعمال سے کام چلا لیتا تھا۔ لوگوں کی دلچسپی کو قائم رکھنے کے لیے وہ حرکات و سکنات اور لہجے کے اتار چڑھاو سے بھی کام لے لیتا تھا۔ لیکن داستان کو تحریر کرنے میں ایک داستان طراز کے پاس زیادہ مواقع نہیں ہوتے تھے کیونکہ داستان کو تحریر کر لینے کے بعد وہ بار بار اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے داستان گو داستان تحریر کرتے ہوئے اسلوب کی مختلف اقسام کو یکجا کر لیتا تھا۔ وہ مقفع و مسجع اسلوب کے ساتھ ساتھ سادہ اسلوب بھی اختیار کرتا تھا۔

داستان کے آغاز میں چونکہ داستان گو کو لوگوں کی توجہ درکار ہوتی تھی اس لیے وہ آغاز میں مدحت میں ایسے الفاظ لاتا جو سامع کو اس کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ مشکل، مقفع، اور مسجع عبارت کا استعمال کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ بھی ہوتا کہ سننے اور پڑھنے والوں پر اپنے علم کی دھاک بٹھا دے۔ اپنی اس تعریف سے نہ صرف لوگوں کو خوش کرتا بلکہ بادشاہان اور نوابین کی تعریف کو شامل کر کے ان کی عنایات بھی حاصل کر لیتا تھا۔

اردو کی نثری داستانوں کا آغاز عموماً ایک جیسی مقفع اور مسجع عبارت سے ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں کہانی جوں جوں آگے بڑھتی ہے اسلوب سادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس موقع پر داستان گو کا مقصد لوگوں کو اپنی زبان دانی سے متاثر کرنا نہیں رہتا تھا۔ بلکہ داستان گو کی زیادہ توجہ تجسس کو قائم

کرنے پر ہوتی تھی جس کی بنیاد پر اس کی کہانی آگے بڑھ رہی ہوتی تھی۔ کیونکہ جس قدر وہ تجسس کو قائم کرنے میں کامیاب رہتا اور عجیب و غریب واقعات کو بیان کرتا وہ کہانی کو بڑھانے میں اس کے ممد و معاون ہوتے۔ اسی لیے داستان کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسلوب سادہ اور آسان ہوتا چلا جاتا جسکی واضح مثال فسانہ عجائب ہے۔ اس داستان کی ابتدا میں مشکل اسلوب اختیار کیا گیا لیکن بعد میں رجب علی بیگ سرور اس کو برقرار نہ رکھ سکے۔ داستان میں چونکہ سطحی انسانی نفسیات کو پیش کیا جاتا ہے اور انسانی نفسیات سے کہیں زیادہ واقعات کو اہمیت دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک جیسے واقعات کا بار بار ظہور ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق:

> ''داستانوں کو زبان و بیان کے سہارے طویل بنانے کی کوشش کی گئی ہے ان میں تشبیہ و استعارات، سجع و قافیہ، صنائع بدائع، ضلع جگت غرض سب کچھ بھر کر چیستاں بنا دیا گیا ہے۔''(۵)

داستانوں میں اصل توجہ واقعات کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے پر رہتی تھی اور واقعات تب ہی موثر ہو سکتے تھے جب ان کا بیان پر اثر ہو۔ اسی لیے داستان گو اسلوب پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیتا تھا۔ ان داستان نویسوں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کہانی کے اجزا کو ایسے انداز میں بیان کیا جائے اور اس کے لیے ایسا اسلوب اختیار کیا جائے کہ قاری اس اسلوب کی وجہ سے داستان پڑھنے یا سننے پر مجبور ہو جائے۔ الفاظ سے داستان گو خاص دلچسپی رکھتے تھے جہاں تک ان سے ممکن ہوتا وہ لطافتِ زبان و فصاحت بیان اور اسی قسم کے محاسن کو اپنی انشا میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ ذریعہ اظہار ہیں اور دلچسپ سے دلچسپ واقعہ بھی بے لطف معلوم ہو سکتا ہے اگر اسے اچھے خوبصورت لفظوں میں نہ بیان کیا جائے۔ عبارت کا سریع الفہم ہونا غالباً کسی دوسری صنفِ سخن کے لیے یہ خصوصیت اس قدر اہم نہ ہو جتنی یہ قصہ گوئی کے لیے ہے۔ اگر ہر بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے تو پھر قصہ میں دلچسپی کا قائم رکھنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جائے۔ سید وقار عظیم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ان کہانیوں کا یہ طلسمی حسن اور یہ سحر انگیز تاثیر لفظوں کے حسن کی بدولت ہے۔ یہی لفظ ہیں جنھوں نے ان کہانیوں میں رنگ بھرا ہے اور نغمے کا جادو بھی اور یہی حسن بیان ہے۔''(۶)

داستانوں کے بارے میں ایک عام بات یہ مشاہدے میں آتی ہے کہ واقعات اور کردار نگاری کی بجائے داستانیں اسلوب کی بنا پر ایک دوسرے کی ضد میں لکھی جاتی رہیں جس کی مثال میں باغ و بہار، فسانہ عجائب، سروشِ سخن اور طلسمِ حیرت پیش کی جا سکتی ہیں۔ داستان گوؤں میں معاصرانہ چشمک کی وجہ اسلوب ہی رہا تھا۔ ان داستانوں میں اسلوب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی داستانیں جن کے بارے میں عمومی رائے یہ ہے کہ وہ سادہ اور سلیس عبارت میں لکھی گئی ہیں ان میں بھی کہیں کہیں قافیے اور سجع عبارت کا التزام ملتا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے علاوہ اسلوب کے حوالے سے دہلوی اور لکھنوی دو دبستان سامنے آتے ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ کی داستان گوئی اور داستان نویسی میں مقامی مذاق نے جو امتیازی فرق پیدا کیے ہیں وہ داستانوں کے مضامین اور تفصیلات سے زیادہ اندازِ بیان میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جو داستان گو دہلی مذاق سے متاثر تھے انہوں نے بیان میں سادگی، فصاحت اور سلاست کو اپنا شیوہ بنایا۔ اس کے مقابلے میں جن داستان نویسوں پر لکھنوی ماحول اور مذاق کا اثر تھا، تصنع، رنگینی بیان اور عبارت آرائی ان کے طرز کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی نے لکھا ہے:

> ''اہلِ دہلی سادگی، فصاحت اور سلاست کو ترجیح دیتے تھے اور لکھنوی مذاق سے متاثر حضرات پر شکوہ عبارت آرائی، رنگینی بیان اور صناعی کے قدر دان تھے۔''(۷)

لکھنؤ کی داستان کی اگر بات کی جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان داستانوں میں ایک خیالی ماحول ہونے کے باوجود اس کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اور جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ طرزِ معاشرت کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ رسم و رواج، طرزِ نشست و برخاست اور طرزِ گفتگو اس قدر صاف اور ستھری ہے جو محلات کے ساتھ گلی کوچوں اور بازاروں میں بھی بولی جاتی تھی۔ لکھنؤ کا داستان گو جب سماں کھینچتا تو پڑھنے اور سننے والوں کو نوابینِ اودھ کے عہد میں لے جاتا۔ اسی طرح دہلوی داستان گو اپنی داستانیں دہلی کے دربار کے ماحول سے سجاتا اور اسی معاشرت کا نمونہ پیش کرتا جو قلعہ معلیٰ میں رائج تھی۔ دونوں کے ہاں وہی آدابِ شاہی ہوتا، وہی طمطراق، وہی شان و شکوہ، وہی آن بان، وہی سیر و تفریح، وہی عیش و عشرت، جو اس وقت کے درباروں اور محلات کی خصوصیت تھی۔

لکھنوی اور دہلوی دبستان کے قائم ہو جانے پر داستانوں کو اسلوب کے حوالے سے بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک کا تعلق سادہ اور سلیس اسلوب سے ہے جو اہلِ دہلی سے

منسوب ہے جس کی عمدہ مثال باغ و بہار ہے۔ دوسرا مقفع، مسجع اور رنگین اسلوب ہے جو لکھنوی داستان گوؤں کی پہچان ہے اور جس کی مثال فسانہ عجائب ہے۔ یہ دونوں داستانیں اسلوبیاتی حوالے سے شہرت اور اپنی اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ سب رس، طلسم حیرت، بوستانِ خیال، قصہ مہر افروز و دلبر، مذہبِ عشق میں رنگینی اور عبارت آرائی جگہ جگہ ملتی ہے۔ ان کتابوں میں مسجع نگاری، قافیہ بندی، تشبیہ و استعارہ اور ہم وزن فقرات اور دوسری صنعتوں کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ اسلوب کے حوالے سے انشا اللہ خان انشا بھی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ داستان گوئی میں ان کی دو گراں قدر خدمات ہیں۔ کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کے علاوہ سلک گوہر ان کی تحریر کردہ داستانیں ہیں۔ یہ دونوں داستانیں اسلوب کی مہارت دکھانے کے لیے تحریر کی گئی تھیں۔ کہانی رانی کیتکی میں انشا نے بدیسی بھاشا کو یکسر رد کیا اور سلک گوہر کو غیر منقوط لکھ کر داستان گوئی میں ایک کامیاب تجربہ کیا۔

نو آئینِ ہندی، عجائب القصص، سروشِ سخن، نغمہ عندلیب، قصہ گل و صنوبر، افسانہ عشق یعنی قصہ نل و دمن کی زبان سادہ اور آسان ہے۔ ان میں روز مرہ محاورے کا آمیزہ ہے اور جن کے بیانات دلچسپ ہیں۔ اس کے علاوہ نثری داستانوں کے اسالیب کو فارسی آمیز اور ہندی آمیز میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آرزو چودھری نے لکھا ہے:

> ''برصغیر میں ایرانی (مسلم) اور ہندی تہذیب کے زیرِ اثر دو الگ الگ اسالیب نے آنکھیں کھولیں۔ ایک فارسی آمیز نثر کا اسلوب اور ایک ہندی آمیز نثری اسلوب۔ قدیم سنسکرت سے جو کہانیاں اردو میں آئیں ان میں ہندی آمیز اسلوب کی گھما گھمی رہی ہے۔ مثلاً بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی وغیرہ۔ اسی طرح عربی اور فارسی (خصوصاً) سے اردو میں منتقل ہونے والے قصوں میں فارسی آمیز اسلوب کی بہار دکھائی دیتی ہے۔ جیسے اخوان الصفا اور نو طرزِ مرصع وغیرہ وغیرہ۔ بعض جگہ یہ دونوں اسالیب سنگ سنگ چلے ہیں۔ جیسا کہ باغ و بہار اور رانی کیتکی وغیرہ۔''(۸)

داستانوں میں اسلوب کے حوالے سے شعوری کوشش کے باعث ان میں انشا پردازی کے مختلف نمونے ملتے ہیں۔ کہیں سادگی ہے اور کہیں رنگینی، کہیں سلاست ہے اور کہیں مشکل پسندی، کہیں بھاشا کا اثر زیادہ ہے تو کہیں فارسیت غالب ہے۔ ان داستانوں کی عبارت مقفیٰ و مسجع بھی ہے اور بے تکلف اور رواں بھی۔ متن میں جا بجا اشعار بھی ملتے ہیں جن سے رنگینی اور لطافت میں

اضافہ ہو جاتا ہے۔ مختصر داستانوں میں زبان علی العموم ہموار ملتی ہے لیکن طویل داستانوں میں انشا نا ہموار ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ بڑی داستانوں میں ہمواری کا التزام اگر ناممکن نہیں تو کم از کم از حد دشوار ضرور تھا۔ لکھنوی داستانوں سے قبل اشعار کم ملتے تھے۔ فسانہ عجائب میں بھی ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن یہ لے بعد میں بڑھتی گئی۔ چنانچہ سروشِ سخن، قصہ ممتاز، وغیرہ کی انشا میں شاعرانہ لطافت کے باعث چار چاند لگ گئے ہیں۔ داستانوں کے مختلف اسالیبِ بیان کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل لکھتے ہیں:

> ''داستانوں نے اردو ادب کو قسم قسم کے اسالیبِ بیان عطا کیے ہیں۔ سلیس، دقیق، سادہ، رنگین، عربی فارسی آمیز، بھاشا آمیز، فطری، مصنوعی، فصیح، بلیغ، مختصر، طویل۔''(۹)

داستانوں کی ایک اسلوبی خاصیت ان میں عام بول چال کی زبان کا استعمال ہے۔ داستان لکھنے والوں کی کوشش عموماً یہ رہی ہے کہ ہر بات ایسی زبان میں بیان کی جائے جو روزمرہ کی بول چال سے قریب ہو جس کا دعویٰ بھی قریب قریب ہر داستان گو نے وجہ تصنیف میں کیا ہے۔ ان مصنفین نے اپنی عبارتوں میں اشعار کی مدد سے یا کہیں کہیں عبارت میں قافیے اور سجع کے استعمال سے بعض مقامات پر بات کو ذرا شاعرانہ انداز میں بیان کر کے ایک ادبی چاشنی پیدا کرنے کی بھی شعوری کوشش کی ہے۔ داستانوں میں پلاٹ، کردار، منظر نگاری کے ایک جیسے مشترکات ہونے کے باوجود اسلوب کے اعتبار سے ان میں سے ہر ایک کا انفرادی رنگ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو عبارتوں میں ان کا انفرادی رنگ بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ کلیم الدین احمد کے مطابق:

> ''ان داستانوں میں پہلی مرتبہ نثر کا اس وسیع پیمانے پر استعمال ہوا اور ایسے زمانہ میں جب نثر نے موجودہ شکل اختیار نہ کی تھی۔ اس لیے اگر ان داستانوں میں کسی قسم کے محاسن نہ ہوتے تو بھی یہ تاریخ نثر اردو میں ایک خاص اہمیت رکھتیں اور ان کا ایک بزرگ مقام ہوتا۔''(۱۰)

داستان گوؤں نے معمولی کرداروں کے بیان میں روزمرہ کی زبان استعمال کی ہے اور غیر معمولی کرداروں کے کوائف بیان کرتے وقت تصنع اور تکلف سے کام لیا ہے تاکہ قاری اپنے ذہن میں ان عجیب و غریب جادوگروں، پریوں، جنات، بادشاہوں، شہزادوں، شہزادیوں اور عام طبقے کے افراد کے درمیان حدِ قائم کر سکیں۔ کرداروں کا مقام و منصب اور ان کے اعمال و افعال کی روش اس

بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ خاص قسم کی زبان استعمال کریں۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے داستان گوؤں نے مختلف نثری اسالیب کو ان داستانوں میں استعمال کیا ہے۔ اردو کی ان نثری داستانوں کا اپنے پلاٹ کی وجہ سے نہ سہی لیکن اپنے اسالیب کی وجہ سے تاریخِ ادبِ اردو (نثر) میں ہمیشہ بلند مقام رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ نثار احمد فاروقی، اسلوب کیا ہے، اردو نثر کا اسلوبیاتی مطالعہ (ملا وجہی سے سبطِ حسن تک)، مرتبہ، ڈاکٹر عقیلہ جاوید، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۴، ص ۴۷

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مرتبہ، قومی انگریزی اردو لغت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۸۲ء

۳۔ عبداللہ سیّد، ڈاکٹر، طیفِ نثر (وجہی سے دورِ جدید تک)، مرتبہ، ممتاز منگلوری ایم اے، نذر سنز، لاہور، سن ندارد، ص ۱۸

۴۔ حامد اللہ افسر، تنقیدی اصول اور نظریے، کوہ نور پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۴، ص ۱۳۰

۵۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو داستان کا فنی تجزیہ، مشمولہ، پاکستانی ادب۔ تنقید، ایس ٹی پرنٹرز، ۱۹۸۲، ص ۷۰۵

۶۔ وقار عظیم، سیّد، فن اور فنکار، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۶، ص ۶۷

۷۔ قمر الہدیٰ فریدی، ڈاکٹر، اردو داستان تحقیق و تنقید، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲، ص ۶۵

۸۔ آرزو چودھری، ڈاکٹر، داستان کی داستان، عظیم اکیڈمی، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۸، ص ۳۵۹

۹۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو داستان تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷، ص ۵۲۳

۱۰۔ کلیم الدین احمد، پروفیسر، اردو زبان اور فنِ داستان گوئی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، اشاعتِ اوّل، ۱۹۹۰، ص ۱۱۳